© rasailojaraid.com

اختر راہی

علمائے دیوبند اور مطالعۂ مسیحیت

دیوبند ضلع سہارنپور (اتر پردیش) کا ایک تاریخی قصبہ ہے جہاں ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ/ ۳۰ مئی ۱۸۶۷ء کو چند مقامی اہلِ اخلاص نے پرانی "چھتہ مسجد" میں معمولی وسائل سے "مدرسہ اسلامیہ" کا آغاز کیا۔ پہلے استاد ملاّ محمود نے انار کے ایک درخت تلے پہلے طالب علم محمود حسن کو درس دیا، یہی طالب علم بعد ازاں "شیخ الہند" کے لقب سے علم و دانش کے پیاسوں اور آزادی کے متوالوں کا منظور نظر بنا۔ "مدرسہ اسلامیہ" وقت کے ساتھ اپنے بانیوں کے اخلاص کی برکت سے ایک "دارالعلوم"، بلکہ ایک "تحریک" بن گیا جس نے (ہجری تقویم کے مطابق) اپنی ۱۳۵ سالہ تاریخ میں مسلمانانِ برصغیر کی دینی و تعلیمی زندگی میں بھرپور کردار ادا کیا ہے۔ آج دارالعلوم کا فیض دُنیا کے ہر اس خطّے میں محسوس کیا جا سکتا ہے جہاں اِس کے فضلاء یا برصغیر کے مسلمانوں کے قدم پہنچے ہیں۔ دارالعلوم کے فضلاء میں سے ایک بڑی تعداد نے برصغیر میں مسیحی مناّدوں کی سرگرمیوں اور اُن کے اسلام مخالف روّیوں کا جائزہ لیا، مسیحیّت کا مطالعہ کیا اور اقتضائے زمانہ کے مطابق دفاع اسلام کا فریضہ انجام دیا ہے۔

قیامِ دارالعلوم سے پہلے مولانا آلِ حسن موہانی (م ۱۸۷۰ء)، مولانا رحمت اللہ کیرانوی (م ۱۸۹۱ء) اور ڈاکٹر وزیر خان جیسے بزرگوں نے مسلمانانِ برصغیر میں مطالعۂ مسیحیّت کی جو روایت قائم کی تھی، دارالعلوم کے اساتذہ اور فضلاء نے اِسے مزید پروان چڑھایا ہے۔

مطالعۂ مسیحیّت کے حوالے سے دارالعلوم دیوبند کی جس اوّلیں شخصیّت پر نظر پڑتی ہے، وہ مولانا محمد قاسم نانوتوی (م ۱۸۸۰ء) کی ذات گرامی ہے۔ "مولانا محمد قاسم نانوتوی مدرسۂ دیوبند کے اصل بانی نہ تھے، لیکن مدرسہ کو ایک شاندار دارالعلوم بنانے کا خیال آپ کا تھا۔ جن قابلِ عزت بزرگوں نے اِس مدرسے کو شروع کیا، شاید ان کا منتہائے مقصود ایک مکتب سے زیادہ نہ تھا، جو جامع مسجد کی سہ دریوں میں بھی جاری رہ سکتا تھا، لیکن مولانا محمد قاسم نے شروع ہی سے اپنا تخیّل بلند تر رکھا اور مدرسے کی بنیادیں اس قدر وسیع اور بلند رکھیں کہ ان پر دارالعلوم کی عالیشان عمارت تعمیر ہو سکی [۱]۔"

مولانا نانوتوی جن دنوں مطبع مجتبائی- دہلی سے بطور مصحح وابستہ تھے (۷۰- ۱۸۶۹ء)، دینی علوم کے طلبہ کو اپنے طور پر درس دیتے تھے۔ دہلی ایک عرصے سے مسیحی مناّدوں کی سرگرمیوں کا مرکز تھا جو مدارس اور اشاعتی پروگراموں کے ساتھ ساتھ برسرِ عام انجیل کی منادی کرتے تھے۔ عوام کی توجہ حاصل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنے کے لیے پادری صاحبان اکثر مقامی آبادی کے عقائد پر تنقید کرتے اور دوسروں کو مناظرے کا چیلنج دیتے رہتے تھے۔ مولانا نانوتوی نے پادریوں سے بحث مباحثہ کے لیے اپنے شاگردوں کو تیار کیا جو پادریوں ہی کی طرح چوراہوں اور بازاروں میں کھڑے ہو کر اُن کا جواب دینے لگے۔ ایک روز خود بھی بغیر تعارف اور اظہارِ نام کے مجمع میں جا پہنچے۔ پادری تارا چند، جو دہلی کے تبشیری حلقوں میں بڑا نام رکھتے تھے، گفتگو کر رہے تھے۔ مولانا نانوتوی نے سوال و جواب کر کے اُنہیں خاموش کر دیا[۲] (۱۸۷۵ء)۔ اسی عرصے میں مولانا نانوتوی کو ایک مسلم مناظر کی حیثیت سے شہرت حاصل ہوئی اور مولانا ابوالمنصور ناصر الدین دہلوی (م ۱۹۰۳ء) جیسے لوگوں سے متعارف ہوئے جو اِس میدان میں تجربہ و مطالعہ رکھتے تھے۔

۱۸۷۵ء کے اخباروں میں "میلہ خدا شناسی" کے نام سے ایک بین المذاہب مباحثے کا اشتہار شائع ہوا۔ میلے کے داعی مشن سکول - شاہجہانپور کے ہیڈ ماسٹر پادری نولس اور اُن کے کبیر پنتھی دوست منشی پیارے لال (رئیس چاندا پور) تھے۔ پادری صاحب شاہجہانپور اور اس کے گرد و نواح میں اکثر انجیل کی منادی کرتے تھے۔ چاندا پور (شاہجہانپور کا ایک مضافاتی قصبہ) میں بھی اُن کا آنا جانا تھا اور منشی پیارے لال ان کے وعظوں میں شریک ہوتے تھے۔ دونوں کے درمیان اس حد تک تعلق خاطر تھا کہ منشی صاحب کے خیر خواہوں کی رائے میں منشی صاحب "اپنے آبائی عقیدہ کو بھی پارینہ سمجھنے لگے تھے"[۳]۔ مولانا نانوتوی اپنے رفقاء مولانا محمود حسن، مولوی رحیم اللہ بجنوری اور مولانا فخر الحسن کے ہمراہ میلے میں شریک ہوئے (۷ - ۸ مئی ۱۸۷۶ء)۔ ان کے علاوہ تقابل ادیان سے دلچسپی رکھنے والے مسلمان اہلِ علم میں سے مولانا ابوالمنصور دہلوی، مرزا موحد جالندھری، مولوی نعمان بن لقمان اور مولوی رنگین بریلوی، مولوی احمد علی دہلوی اور مولوی حیدر علی دہلوی نے شرکت کی اور میلے میں تقاریر کیں۔ مولانا نانوتوی نے میلے کے لیے ایک تحریر لکھی تھی، مگر میلے میں وقت کی کمی کے باعث لکھی ہوئی تحریر نہ پڑھی جا سکی اور مولانا نے فی البدیہ گفتگو کی۔ اُنہوں نے اپنی گفتگو میں ابطالِ تثلیث، تردید شرک اور اثباتِ توحید پر دلائل پیش کیے۔ اخبار "خیر خواہ عالم" (دہلی) کی رپورٹ کے مطابق

> ۸ مئی سنہ حال (۱۸۷۶ء) کے جلسہ میں مولانا قاسم صاحب نے درس دیا اور فضائلِ اسلام بیان کیے۔ پادری صاحب نے تثلیث کا بیان عجیب طور سے ادا کیا کہ ایک خط میں تین اوصاف پائے جاتے ہیں، طول، عرض، عمق، سو تثلیث ہر طرح ثابت ہے۔ مولوی موصوف نے اِس کا رد اسی وقت کر دیا، پھر پادری صاحب اور مولوی صاحب تقریر کے معاملہ میں بحث کرتے رہے، اس میں جلسہ برخاست ہو گیا، تمام قرب و جوار اور چاروں طرف شور و غل مچ گیا کہ مسلمان جیت گئے۔ جہاں ایک عالم اسلام کا کھڑا ہوتا، اس کے ارد گرد ہزاروں آدمی جمع ہو جاتے تھے۔ اوّل روز کے جلسے میں جو اعتراضات اہلِ اسلام کے تھے ان کا جواب عیسائیوں نے کچھ نہ دیا۔ مسلمانوں نے عیسائیوں کے جوابات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حرف بحرف دیے اور فتح یاب ہوئے"۴۔

میلے میں اگرچہ، مسیحی، ہندو اور مسلمان نمائندوں کو دعوت دی گئی تھی کہ ہر ایک دلائل و براہین سے اپنے اپنے مذہب کی حقانیت ثابت کرے، مگر "درحقیقت اصل گفتگو مسلمانوں اور عیسائیوں میں تھی"۵۔ "مطبع ضیائی۔ میرٹھ کے کارپردازوں نے اس میلے کی رُوداد "گفتگوئے مذہبی یا واقعہ میلہ خدا شناسی" کے عنوان سے شائع کی تھی۔ بعد ازاں مولانا نانوتوی کی لکھی ہوئی تقریر "حجتہ الاسلام" کے نام سے کئی بار چھپی ہے۔ "حجتہ الاسلام" میں دعوتی انداز میں اسلامی عقائد کا اثبات کیا گیا ہے۔ ابتداء میں انسان کے اشرف المخلوقات ہونے اور اشرفیت کے تقاضے پر گفتگو کی گئی ہے۔ اطاعتِ الٰہی کو انسان کی تخلیق کا مقصد بتایا گیا ہے اور اسے انسانی طبیعت کا مطالبہ قرار دیا گیا ہے۔ اس کے بعد انسان کی گمراہی کے اسباب کی نشان دہی کی گئی ہے اور دینِ اسلام کے باعث نجات ہونے پر دلائل دیے گئے ہیں۔ کلمہ طیّبہ کی توضیح میں وجودِ باری، اثباتِ توحید اور تردیدِ تثلیث ہے، پھر تقدیر کی بحث چھیڑی ہے اور بتایا ہے کہ تقدیر دراصل کارخانہ دُنیا کی تعمیر کا نقشہ اور اس کا تخمینہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں تعمیرِ دُنیا سے پہلے موجود تھا۔ شرک کی تفصیل بیان کر کے رد کیا گیا ہے۔ نبوت اور نبی اکرم ﷺ کی خاتمیت اور افضلیت کی تشریح ہے، اسی ضمن میں قرآن مجید کے اعجاز کا بیان ہے۔ کلمہ طیّبہ کی وضاحت کے بعد مسیحیوں کے عقائد پر مختصر سی تنقید ہے، نیز دوسرے انبیاء کے معجزات اور نبی اکرم ﷺ کے معجزات کی کیفیت اور ان کا باہمی فرق لطیف پیرائے میں واضح کیا گیا ہے۔ تقریر کے آخر میں گوشت کی حلّت پر چند دلائل دیے ہیں، مگر یہ بحث نامکمل رہ گئی ہے۔ (اس بحث کو "تتمہ حجتہ الاسلام" کے نام سے ایک دوسرے رسالہ میں پایہ تکمیل کو پہنچایا گیا ہے۔)

دوسری بار ۱۸ - ۱۹ مارچ ۱۸۷۸ء کو یہ میلہ منعقد ہوا۔ اس بار میلے میں آریہ سماج کے بانی پنڈت دیانند سرسوتی (م ۱۸۸۳ء) اور منشی اندرمن مراد آبادی نے بھی شرکت کی۔ پادری نولس نے اپنی معاونت کے لیے ایک اور پادری جناب سکاٹ کو دعوت دی۔ جزوی طور پر پادری محی الدین پشاوری بھی شریک مباحثہ ہوئے۔ مسلمانوں کی نمائندگی مولانا نانوتوی، مولانا ابو المنصور دہلوی اور مولانا محمد علی بچھرایونی وغیرہ نے کی۔ مباحثے کے پہلے روز مولانا نانوتوی نے اپنی تقریر میں وجودِ باری، توحیدِ الٰہی، اطاعتِ خداوندی، ضرورتِ نبوت، نبوت کی پہچان، حضرت محمد ﷺ کی نبوت، آپ کی خاتمیت، نیز صرف آپ ہی کی اتباع پر نجات کے انحصار کے آٹھ نکات پر گفتگو کی۔ معترض نے چار زائد باتیں شامل کیں۔ اوّل معصومیت انبیاء کے سلسلے میں حضرت آدم علیہ السلام کی خطا، نیز داؤد اور اوریا کے قصے میں کوتاہی موجود ہے۔ دوم ہر جگہ انبیاء کی بعثت کا ثبوت نہیں، سوم معجزات رسول ﷺ کا ثبوت قرآن سے نہیں، اور چہارم درود میں حضرت محمد ﷺ پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

مولانا نانوتوی نے جواب میں الزامی اور تحقیقی جوابات دیے۔ معصومیتِ انبیاء کے سلسلے میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اُنہوں نے کہا کہ گناہ وہ فعل شمار ہوگا جس میں عمل کے ساتھ قصد وارادہ کو دخل ہو۔ نسیان سے ہونے والے فعل پر کوئی گرفت نہیں ہو سکتی۔ انبیاء کی بعثت ہر زمانہ اور ہر صدی میں لازمی نہیں، البتہ ہر قوم میں انبیاء کا آنا ضروری ہے، اور اس پر تاریخ شاہد ہے۔ معجزاتِ محمد ﷺ کا ثبوت قرآن میں نہیں تو احادیث میں موجود ہے، اور احادیثِ نبویہ اس درجہ مستند ہیں کہ ان کے مقابلے میں تورات، انجیل اور دُنیا کی کوئی تاریخ معتبر نہیں۔ پھر پادریوں کے جواب الجواب میں مولانا ابوالمنصور دہلوی کی مدد سے یہ ثابت کیا کہ "کتابِ مقدس" میں تحریف ہوئی ہے۔ درود کے بارے میں فرمایا کہ یہاں تشبیہ فی نسبت وجوب الادا مقصود ہے، تشبیہ فی مقدار الحقوق ہرگز مراد نہیں۔

دوسرے دن کے لیے مباحثے کے پانچ سوالات قائم کیے گئے تھے۔ ۱۔ دُنیا کی تخلیق کس نے، اور کیوں کی؟ ۲۔ خالق کائنات کی ذات ہر چیز پر محیط ہے یا نہیں؟ ۳۔ خالق کائنات عادل اور رحیم بیک وقت کس طرح ہو سکتا ہے؟ ۴۔ وید، کتاب مقدس اور قرآن کے الہامی ہونے کی کیا دلیل ہے؟ ۵۔ نجات کیا چیز ہے اور اس کا حصول کیسے ممکن ہے؟

اس دن کے پہلے اجلاس میں صرف پہلے سوال پر گفتگو ہو سکی۔ دوسرے اجلاس میں پادری صاحبان نے تمام سوالات چھوڑ کر صرف اس سوال پر مباحثہ کرنا چاہا کہ "کتاب مقدس" یا قرآن کے الہامی ہونے کی دلیل کیا ہے؟ مناظرانہ اصرار اور انکار میں گفتگو کا بہت سا وقت ضائع ہو گیا۔ ناچار مولانا نانوتوی کو آخری سوال پر اظہار خیال کا موقع ملا۔

اس دوسرے میلے کی رُوداد "مباحثۂ شاہجہانپور" کے نام سے مرتب کی گئی۔ اس رُوداد میں لکھا گیا ہے کہ مولانا کی تقریر اور اندازِ مباحثہ دیکھ کر منشی پیارے لال نے کہا کہ "مولبی قاسم صاحب کا حال کیا بیان کیجیے، اُن کے دل پر علم کی سرستی (دیبی) بول رہی تھی[6]"۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی کو اس مباحثہ کے بعد زیادہ عرصہ زندگی کی مہلت نہ ملی اور ۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء کو دیوبند میں فوت ہوئے۔

"میلہ خدا شناسی" میں مولانا نانوتوی کے رفقاء کا ذکر بھی مناسب رہے گا۔ مولوی نعمان بن لقمان کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ وہ زیادہ پڑھے لکھے آدمی نہ تھے، محض گلستاں، بوستاں پڑھے ہوئے تھے لیکن مسیحی منادوں کی تردید میں بڑے سرگرم تھے۔ اُن کی ذاتی مہر پر "وکیل سرکار ابد قرار محمد رسول اللہ ﷺ" کے الفاظ کندہ تھے۔ یہ اشعار ان ہی نعمان بن لقمان کے ہیں:

درِ فیض وا ہے آئے جس کا جی چاہے
نہ آئے آتشِ دوزخ میں جائے جس کا جی چاہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاذاللہ فرزندِ خدا کہتے ہیں عیسیٰ کو
تو دادا کون ہے اُن کا بتائے جس کا جی چاہے [7]

"میلہ خدا شناسی" میں مولانا نانوتوی کے رفیق اور اپنے طور پر زبردست مناظر و عالم مولانا ابو المنصور ناصر الدین دہلوی کے اجداد قصبہ سیّد آباد (مضاف قنوج) کے رہنے والے تھے۔ اُن کے والد سیّد محمد ناگپور ریذیڈنسی میں منشی تھے، وہیں ابو المنصور ۱۸۲۳ء میں پیدا ہوئے۔ حصولِ علم کے بعد تصنیف و تالیف اور تبلیغِ اسلام کو زندگی کا مشغلہ بنایا۔ ایک عرصہ دہلی میں مقیم رہے اور "دہلوی" کی صفتِ نسبتی سے مشہور ہوئے۔ مولانا ابوالمنصور نے متعدّد مناظرے کیے اور رسائل و جرائد میں مضمون نگاری کے ساتھ کم و بیش ۲۵ کتابیں لکھیں۔ ۱۹۰۳ء میں دہلی میں فوت ہوئے[8]۔

"میلہ خدا شناسی" کے ایک اور شریک مولوی رنگین بریلوی تھے، اُن کا اصل نام الٰہی بخش تھا۔ مطالعۂ مسیحیّت سے دلچسپی رکھتے تھے، مگر اُن کے حالات کہیں نظر سے نہیں گزرے۔

دارالعلوم دیوبند کے مربیّوں میں مولانا رشید احمد گنگوہی کا نام بہت نمایاں ہے۔ وہ خاموش طبع، حلیم اور خدارسیدہ بلند نظر عالم دین تھے۔ اپنے وطن گنگوہ میں حدیث کا درس دیتے تھے اور عوام کی دینی رہنمائی کرتے تھے۔ اُن کی تحریروں میں مطالعۂ مسیحیّت کے حوالے سے براہ راست بحث نہیں کی گئی، البتہ اُن کے ارادت مندوں میں مولانا غلام محمد راندیری اور مولانا شرف الحق دہلوی نے اِس میدان میں خوب کام کیا۔

دارالعلوم کے فرزند حافظ غلام محمد راندیری کو اللہ تعالیٰ نے فہم و ذکا کا وافر حصّہ عنایت کیا تھا۔ منادانِ مسیحیّت کی سرگرمیوں کو مسلم شناخت کے لیے بڑا خطرہ سمجھتے تھے اور مسیحیوں سے تبادلۂ خیال کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ اُن کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اُنھوں نے حدیث و فقہ اور اصلاحِ عقائد کے موضوع پر متعدّد عربی و اُردو کتابوں کو گجراتی میں منتقل کیا اور اُنہیں شائع کر کے عام پڑھے لکھے گجراتی مسلمان کے ہاتھ میں پہنچا دیا۔ اُن کی ترجمہ کردہ کتابوں میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی "اظہار الحق" بھی شامل ہے۔ "اظہار الحق" کو گجراتی کے ساتھ ساتھ انگریزی میں منتقل کرنے کا غالباً اوّلیں شرف بھی مولانا راندیری کو ہی حاصل ہوا تھا[9]۔

مولانا شرف الحق ۱۸۶۷ء میں دہلی میں پیدا ہوئے تھے۔ اینگلو عربک سکول اور مدرسہ اسلامیہ مسجد فتح پوری میں ابتدائی تعلیم کے بعد دارالعلوم دیوبند گئے۔ وہاں دیگر اساتذہ کے ساتھ مولانا محمد یعقوب نانوتوی (م ۱۸۸۴ء)، مولانا محمود حسن (م ۱۹۲۰ء) اور مولانا سیّد احمد سے استفادہ کیا۔ بعد ازاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا گنگوہی سے صحاح ستہ اور موطا امام مالک کا درس لے کر سندِ حدیث حاصل کی۔ ۱۸۸۸ء/۱۳۰۵ھ میں مولانا شرف الحق کو بغرضِ حج ارضِ حرمین جانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اُن دنوں مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی بینائی اگرچہ زیادہ اچھی نہ تھی، تاہم اُن سے علمی استفادہ کیا اور مناظرہ کی باقاعدہ اجازت حاصل کی۔ واپسی پر مولانا دہلوی نے مسیحی منادوں سے متعدد مناظرے کیے جن کی رُودادیں شائع ہوئی ہیں اور چند کتابیں لکھیں جن میں "استیصال دینِ عیسوی" (مطبوعہ: ۱۳۰۱ھ) اور "ترجمہ انجیل برنباس" زیادہ نمایاں ہیں۔

مطالعۂ مسیحیت کے لیے اُنھوں نے عبرانی اور یونانی زبانوں کی تحصیل کی تاکہ بائبل کا براہ راست مطالعہ کیا جا سکے، مزید براں اُنھوں نے ایک اچھا کتب خانہ فراہم کیا تھا۔ مولانا شرف الحق دہلوی کے فرزند امداد صابری مرحوم کے بقول "رد نصاریٰ میں جتنی کتابیں اُن کے کتب خانے میں ہیں، وہ کسی ہندوستان کی لائبریری میں نہیں ہیں۔ انجیل شریف کے ترجمے تقریباً پچاس زبانوں میں [ہیں] جن میں ہندوستان کی مختلف زبانیں بھی ہیں[۱]"۔

مولانا شرف الحق ستر سال کی عمر میں ۲۸ جنوری ۱۹۳۶ء کو دہلی میں فوت ہوئے[۱]۔ اُن کے صاحبزادے امداد صابری نے تصنیف و تالیف کی روایت قائم رکھی، اور برصغیر میں اُن مسلمان علماء کے کارناموں کو بالخصوص اجاگر کیا جنھوں نے اُن کے والدِ ماجد کی طرح مطالعۂ مسیحیت میں زندگی کا ایک حصّہ صرف کیا تھا[۱۲]۔

مولانا شرف الحق دہلوی اور پادری لیفرائے کے درمیان مناظرے (مسجد فتح پوری دہلی: ۱۸۹۱ء) میں مولانا ابو محمد عبدالحق حقانی بطور منصف شریک ہوئے تھے۔ مولانا حقانی نے دارالعلوم دیوبند میں تعلیم نہ پائی تھی، تاہم دارالعلوم کے منتسبین کے ساتھ اچھے تعلقات رکھتے تھے۔ اُن کے اساتذہ میں مفتی لطف اللہ علی گڑھی اور مولانا عبدالحق مہاجر مکی جیسے فضلاء کے نام آتے ہیں۔ شاہ فضل رحمان گنج مراد آبادی (م ۱۸۹۵ء) کے مریدوں میں سے تھے، اور شاہ فضل رحمان گنج مراد آبادی، مدرّسین دیوبند مثل محمد یعقوب نانوتوی کے بارے میں بہت اچھی رائے رکھتے تھے[۱۳]۔

مولانا حقانی کی شہرت ترجمہ و تفسیر "فتح المنّان" معروف بہ "تفسیرِ حقانی" کی بدولت ہے۔ مولانا نے تفسیر میں من جملہ دوسرے اُمور کے "قصص میں جو کچھ بروایتِ صحیحہ یا کتبِ سابقہ سے ثابت ہے۔۔۔ ملخص کر کے بیان کر دیا" اور "مخالفین کے شکوک و شبہات میں جس قدر تاریخی واقعات یا مبدء و معاد کے بابت وارد تھے سب کا جواب الزامی اور تحقیقی دیا[۱۴]"۔ تفسیرِ حقانی میں یہودیت و مسیحیت کا جو مطالعہ پیش کیا گیا ہے، اسے بعد کے اُردو مفسرین نے بالعموم تسلیم کیا ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنے مقدمہ تفسیر میں لکھا ہے: "چونکہ احقر کو مباحث متعلقہ کتبِ سماویہ سابقہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر بالکل نظر نہیں ہے، اس لیے ایسے مضامین میں تفسیرِ حقانی سے نقل کر دیا گیا ہے[15]۔" اور مولانا عبدالماجد دریا بادی نے اِسے "مذہبِ غیر سے مناظرہ کرنے والوں کے لیے مفید[16]" قرار دیا ہے۔

تفسیر کے مقدمہ "البیان" میں وجودِ ملائکہ، حشر و نشر اور معجزات کے بارے میں بحث کرتے ہوئے سر سید احمد خان کی تاویلات اور پادری عماد الدین کی غلط فہمیوں کا خوب خوب جواب دیا ہے۔ "البیان" کا انگریزی میں ترجمہ ہوچکا ہے۔ "تفسیرِ حقانی" کے علاوہ اُن سے "الحسامی" (اصول فقہ) کی شرح "التعلیق النامی" اور ایک کتاب "عقائدِ اسلام" بھی یادگار ہے۔

مولانا حقانی نے ۱۹۱۱ء میں ایک تنظیم "انجمن ہدایت الاسلام" قائم کی تھی۔ اِس کے مقاصد میں اسلام کی سچائی اور خوبیوں کا اظہار کرنا اور مخالفینِ اسلام کے اعتراضات کا جواب دینا تھا۔ انجمن نے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے ایک رسالہ "الہدایت" کے نام سے جاری کیا تھا جو مولانا حقانی کی سرپرستی میں شائع ہوتا تھا۔ مولانا حقانی ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۶ء میں دہلی میں فوت ہوئے۔

دارالعلوم کے ایک اور فاضل، اور شیخ الہند کے شاگرد مفتی کفایت اللہ مطالعہ مسیحیت سے دلچسپی رکھتے تھے اور کچھ عرصہ مسیحی منادوں کی غلط فہمیوں کے رفع کرنے میں مصروف رہے تھے، مگر بعد میں درس و تدریس، افتاء اور سیاسی ذمہ داریوں سے وقت نہ نکال سکے کہ اِس موضوع پر مسلسل کام کرتے۔

مفتی کفایت اللہ کا وطنِ مالوف شاہجہانپور تھا۔ وہیں ۱۸۷۵ء میں شیخ عنایت اللہ بن شیخ فیض اللہ کے گھر پیدا ہوئے۔ مدرسہ اعزازیہ شاہجہانپور اور مدرسہ شاہی مراد آباد میں زیرِ تعلیم رہنے کے بعد دارالعلوم دیوبند گئے اور ۱۸۹۷ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ شاہجہانپور آ کر درس و تدریس میں مصروف ہو گئے اور "البرہان" کے نام سے ایک دینی جریدہ جاری کیا۔ ۱۹۰۴ء میں مولانا امین الدین کے قائم کردہ "مدرسہ امینیہ۔ دہلی" سے بطور صدر مدرس و مفتی وابستہ ہوئے اور زندگی کا باقی حصہ اِس کی نذر کر دیا۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۵۲ء/۱۳ ربیع الآخر ۱۳۷۲ھ کو فوت ہوئے اور مہرولی (دہلی) میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے احاطۂ مزار کے قریب دفنائے گئے۔

اُن دنوں جب مفتی کفایت اللہ شاہجہانپور میں تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے، اُنہیں مسیحی پادریوں سے مناظروں اور مطالعہ مسیحیت کا موقع ملا۔ مولانا اعزاز علی اپنے زمانۂ طالب علمی کی یادداشتوں کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> میں آپ [مفتی صاحب] سے شاہجہانپور میں سکندر نامہ پڑھتا تھا کہ معلوم ہوا کہ سبزی منڈی میں عیسائیوں نے اسلام اور داعیِ اسلام کے خلاف کچھ کہنا شروع کر دیا ہے، اسی روز حضرت مفتی صاحب مجھ کو اور مولوی اکرام اللہ ندوی ایڈیٹر "کانفرنس گزٹ" (علی گڑھ) کو ساتھ لے کر مجمع میں جا گھسے اور اِن بدزبانوں پر اعتراضات شروع کر دیے۔ اول

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو وہ سمجھے کہ کوئی ناواقف بول رہا ہے، مگر اعتراضات کی اہمیت نے جب اُن کو بتایا کہ معترض معمولی انسان نہیں ہے تو مناظرے سے انکار کر کے سب نے گانا شروع کر دیا۔ حضرت مفتی صاحب نے تقریباً دس قدم کے فاصلے پر کھڑے ہو کر ان اعتراضات کے جواب دیے اور پھر خود ان کے مسلّمات سے اُن پر اعتراضات شروع کر دیے[17]۔

بازار جا کر وعظ کہنے کا یہ سلسلہ ایک ہفتہ جاری رہا۔ مولانا پادریوں کے اعتراضات کا جواب دیتے رہے اور اسلام کے اصول و عقائد سمجھاتے رہے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ لوگوں نے پادریوں کے وعظ میں جانا چھوڑ دیا۔ مولانا اعزاز علی نے ہی ایک دوسرا واقعہ لکھا ہے:

> اس کے غالباً دو ایک سال بعد امریکن مشن کے ایک مشہور مبلّغ پادری جوالا پرشاد نے رمضان المبارک، شدید گرما کے موسم، میں جلسہ کا اعلان کیا اور اشتہار میں شائع کیا کہ آریوں اور اہلِ اسلام کو بھی رفع شبہات کا موقع دیا جائے گا۔
>
> یہ اجلاس مشن سکول کے وسیع ہال میں ہوا۔ حضرت مفتی صاحب اور حضرت مولانا عبدالکریم بفوی ظہر کے بعد سے موجود تھے۔ پادری صاحب وقت معینہ سے دو گھنٹے بعد تشریف لائے۔ تقریر شروع کی، بحث کا وقت آ گیا۔ حضرت مفتی صاحب اور مولانا عبدالکریم کے ساتھ ہم نے مسجد میں پانی کے ساتھ روزہ افطار کیا، مگر اب بھوک زیادہ لگی۔ مجھے یہ بھی خیال آیا کہ مجھے قرآن شریف تراویح میں پڑھنا ہے۔ میں چلا آیا، مگر یہ حضرات وہاں شب کے بارہ بجے تک رہے۔ یہ جلسہ کس وقت ختم ہوا؟ مجھے معلوم نہ ہوا، مگر صبح کو ہر کہہ ومہ کی زبان پر یہ تھا کہ دونوں مولویوں نے اسلام کی لاج رکھ لی۔ خدا جانے یہ کہاں سے آ گئے تھے (ان دونوں صاحبان سے شاہجہانپور کے لوگ ناواقف تھے)۔ میں بہادر گنج کے بازار میں پہنچا تو مسلمانوں کی ٹولیاں اس کا تذکرہ کر رہی تھیں۔ ایک شخص نے کہا، "مگر اُن میں جو دُبلا پتلا سوکھا سا آدمی تھا، تم نے دیکھا، وہ شیر کی طرح غرّاتا تھا اور اُس کی ہر بات پر پادری صاحب کو پسینہ آ جاتا تھا"[18]۔

مولانا شیخ الہند کے شاگردوں میں ایک اور نام مولانا ثناء اللہ امرتسری کا ہے۔ مولانا امرتسری مولانا محمد حسین بٹالوی کے ساتھ اُن بزرگوں میں شامل ہیں جنھوں نے برصغیر کی اہلِ حدیث تحریک کو واضح شناخت دی اور اہلِ سنت کے اندر فقہی جمود کے خلاف ردِ عمل میں بننے والا ذہن ایک الگ گروہ کی شکل میں منظم ہو گیا۔ مولانا امرتسری زندگی بھر مسیحی منادوں کا جواب دیتے رہے، اُن کا ہفت روزہ "اہلِ حدیث" (امرتسر) جہاں اپنی مسلکی خدمات کے لیے بہت پڑھا جاتا تھا، وہیں اس میں مطالعۂ مسیحیت کے حوالے سے وہ تمام مباحث شائع ہوتے تھے جن سے اُس وقت کے میدانِ مناظرہ میں کام لیا جاتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھا[19]۔

مطالعۂ مسیحیت کے ضمن میں مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کا ذکر بھی ضروری ہے۔ وہ سیوہارہ ضلع بجنور کے الحاج مولوی شمس الدین صدیقی کے فرزند تھے جو مولانا فضل رحمان گنج مراد آبادی سے تعلقِ بیعت رکھتے تھے۔ مولانا سیوہاروی ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء (حفظ الرحمان تاریخی نام ہے) میں پیدا ہوئے تھے۔ گھر کی مکتبی تعلیم کے بعد اُنھوں نے مدرسہ شاہی - مراد آباد اور مدرسہ فیضِ عام - سیوہارہ میں درسِ نظامی کی تکمیل کی اور پھر دارالعلوم دیوبند گئے، وہاں سے اپنے بعض اساتذہ مولانا انور شاہ کاشمیری، مفتی عزیز الرحمٰن اور مولانا شبیر احمد عثمانی کے ساتھ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل چلے گئے۔ مولانا حفظ الرحمٰن نے وہیں درسِ حدیث سے فراغت حاصل کی اور علمی زندگی میں قدم رکھا۔ مولانا کی زیادہ شہرت جمعیت علماء ہند کے ناظمِ اعلیٰ کی حیثیت سے ہے، مگر اُنھوں نے چند اہم کتابیں — قصص القرآن، اسلام کا اقتصادی نظام، اخلاق و فلسفۂ اخلاق، البلاغ المبین فی مکاتیب سیّد المرسلین، نور البصر فی سیرۃ خیر البشر اور حفظ الرحمٰن لمذہب النعمان — لکھی ہیں، اِن میں سے "قصص القرآن" میں "کتاب مقدّس" اور "مسیحیت" کے مطالعہ کی جھلکیاں ملتی ہیں۔

قرآنِ حکیم میں امم سابقہ اور انبیائے کرام کے قصص سے تذکیر و موعظت کا کام لیا گیا ہے اور واقعات کا صرف اتنا حصّہ ہی بیان کیا گیا ہے جو تذکیر کے لیے ضروری ہے، قرآن کا مقصد از ولادت تا وفات کسی نبی کی سوانح عمری بیان کرنا ہے اور نہ کسی حادثے کو بطور تاریخ نقل کرنا ہی، تاہم بیانِ واقعات میں قرآنِ حکیم نے تورات اور انجیل سے اختلاف بھی کیا ہے۔ مسیحی مناظرین اور دوسرے ناقدینِ اسلام ہمیشہ یہ کہتے رہے ہیں کہ قرآن صحفِ سابقہ سے ماخوذ ہے، اور نعوذ باللہ حضرت محمد ﷺ اپنی ناقص معمولات کے تحت واقعات صحیح صحیح بیان نہیں کر سکے۔ مسلمان اہلِ علم نے اپنی تفسیری نوعیّت کی تالیفات میں ان اعتراضات کا جائزہ لیا ہے۔ مصر کے علامہ رشید رضا نے تفسیر "المنار" میں قصصِ قرآن پر کیے گئے یہ اعتراضات پیشِ نظر رکھے ہیں۔ عبدالوہاب النجار مصری، استاد جامعہ ازہر - قاہرہ نے ۳۱ - ۱۹۳۰ء میں "قصص الانبیاء" کے نام سے اپنے محاضرات مرتّب کیے تھے جن میں اُنھوں نے قصصِ قرآن کا یہ پہلو پیش نظر رکھا ہے، تاہم یہ ابتدائی کاوش زیادہ جامع نہیں۔ مولانا حفظ الرحمٰن نے اس اہم موضوع پر چار جلدوں میں "قصص القرآن" ترتیب دی۔ مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی کے الفاظ میں کتاب کا اندازِ ترتیب اور خصوصیات یہ ہیں:

۱۔ بیانِ واقعات میں قرآن کریم کی تصریحات کو بنیاد و اساس قرار دیا گیا ہے، پھر صحیح احادیث اور معتبر تاریخی روایات سے ان کی تشریح و توضیح کی گئی ہے۔

۲۔ اہلِ کتاب کی کتبِ مقدّسہ یا مغربی مؤرخین کی تحقیقاتِ جدیدہ اور قرآن کریم میں جہاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعارض نظر آیا ہے، وہاں دلائل واضحہ سے دونوں کے درمیان تطبیق کی گئی ہے یا براہین قطعیہ سے قرآن کریم کی صداقت کو ثابت کیا گیا ہے۔

۳۔ اسرائیلی روایات کی خرافت اور معاندینِ اسلام کی باطلیت کو حقائقِ مسلمہ کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے[۲۰]۔

مولانا انور شاہ کاشمیری کے ایک دوسرے شاگرد رشید کاندھلہ (ضلع مظفر نگر - اتر پردیش) کے معروف خانوادۂ دین و دانش کے مولانا محمد ادریس کاندھلوی تھے۔ مولانا نے مدرسہ اشرفیہ تھانہ بھون، مظاہر علوم سہارنپور اور دارالعلوم دیوبند میں علوم دینیہ کی تحصیل کی اور ۷۴ سالہ زندگی (۱۸۹۹ء - ۱۹۷۴ء) کے ۵۳ برس قرآن و حدیث کی تدریس میں بسر کیے، ۱۹ سال اپنی مادرِ علمی دارالعلوم میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ مولانا کی علمی دلچسپیوں میں بڑا تنوع تھا۔ تفسیر و حدیث اور سیرۃ النبی پر اُن سے وقیع کتابیں یادگار ہیں جن کے بغیر آج کا کوئی اسلامی کتب خانہ مکمل نہیں قرار دیا جاسکتا۔ مولانا کی علمی دلچسپیوں میں مطالعۂ مسیحیّت کو نمایاں جگہ حاصل ہے۔ اُنھوں نے براہ راست یا بالواسطہ، مسیحیّت کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، اس میں حسبِ ذیل تالیفات اہم ہیں۔

۱۔ کلمۃ اللّٰہ فی حیاۃ روح اللّٰہ (تالیف: ۱۳۴۳ھ)

۲۔ بشائر النبیین بظہور خاتم الانبیاء والمرسلین (تالیف ۱۳۴۷ھ)

۳۔ احسن الحدیث فی ابطال التثلیث (تالیف: ۱۳۸۰ھ)

۴۔ اسلام اور نصرانیت

۵۔ القول المحکم فی نزول عیسیٰ ابن مریم

۶۔ لطائف الحکم

۷۔ اعلام بمعنی الکشف والوحی والالہام

مولانا محمد ادریس کاندھلوی کے یہ رسائل بار بار شائع ہوئے ہیں اور نظر ثانی کرتے ہوئے مولانا ان میں مسلسل ترمیم و اضافہ کرتے رہے ہیں[۲۱]۔ مولانا کاندھلوی کے صاحبِ علم فرزندوں میں سے مولانا محمد مالک کاندھلوی نے بھی اِس موضوع پر چند کتابیں مرتّب کی ہیں۔

دیوبندی مکتبِ فکر اور مولانا محمد الیاس کی دینی دعوت کے فعّال مقامی رہنما بھوئی گاڑھ (ضلع اٹک) کے حکیم محمد شمس الدین قریشی نے قیامِ پاکستان کے بعد ٹیکسلا میں ایک اشاعتی ادارہ "دارالاشاعت و التبلیغ" قائم کیا اور اپنے مطالعۂ مسیحیّت کے نتائج چھوٹے چھوٹے کتابچوں کی صورت میں شائع کیے۔ اِن میں سے دو کتابچے "حقیقتِ عیسائیت" (اشاعت اوّل: ۱۳۷۵ھ) اور "بائبل کے شگوفے" (اشاعت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اوّل: ۱۳۸۴ھ) کے نام سے شائع ہوئے تھے۔ حکیم صاحب نے نومسلم عبداللہ الترجمان کی معروف تالیف "تحفتہ الاریب فی الرد علی اہل الصلیب" کا ملخص ترجمہ "آئینہ عیسائیت" (اشاعت اوّل: ۱۹۶۱ء) کے نام سے کیا ہے۔

پروفیسر قاضی زاہد الحسینی خلیفہ مجاز مولانا احمد علی لاہوری سے متعدّد کتابیں یادگار ہیں، اُنھوں نے پادری ٹھاکر داس کی کتاب "عدم ضرورت قرآن" کا جواب "ضرورۃ القرآن" (تالیف: ۱۹۴۹ء) کے نام سے دو جلدوں میں لکھا ہے۔ مدرسہ نصرۃ العلوم - گوجرانوالہ کے شیخ الحدیث اور متعدّد کتابوں کے مصنّف مولانا سرفراز خان صفدر (ولادت: ۱۹۱۴ء) نے مطالعہ مسیحیت سے اپنی دلچسپی کا اظہار "عیسائیت کا پس منظر" (اشاعت اوّل: فروری ۱۹۶۲ء) لکھ کر کیا ہے[۲۲]۔ مولانا بشیر احمد جالندھری نے متعدّد مقالات اور چھوٹے بڑے پمفلٹوں کے ساتھ ایک اہم کتاب "آخری نبی اور توراتِ موسوی" (اشاعت: ۱۹۷۶ء) مرتّب کی جو پادری برکت اللہ کی تالیف "توراتِ موسوی اور محمد عربی" کا جواب ہے۔

حکیم انیس احمد صدیقی کی تالیفات میں "بائبل کی تالیف اور تحریف پر تحقیقی نظر" اور "عیسائیوں کو کتابِ مقدس پر عمل کرنے کی دعوت" شامل ہیں۔ مجلس علماء پاکستان - لاہور کے روح رواں اور بادشاہی مسجد لاہور کے خطیب مولانا عبدالقادر آزاد (بن محمد سعید نقشبندی مظفر گڑھی) نے مطالعہ مسیحیت پر متعدّد پمفلٹ شائع کیے ہیں۔ ایک کتابچہ "راہِ حق کا متلاشی بائبل سے قرآن کی طرف" اُن کے زمانۂ طالب علمی کی یادگار ہے۔

مسیحیت کے بارے میں کتابوں کی ترتیب و تالیف کے ساتھ مولانا آلِ حسن موہانی اور مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی تصنیفات سے مسلسل اعتناء کیا جاتا رہا ہے۔ علمائے دیوبند سے تعلق خاطر رکھنے والے پروفیسر محمد ایوب قادری (م ۱۹۸۳ء) نے اِن بزرگوں کے بارے میں سوانحی مقالات لکھے اور اِن کی کتابوں کا تعارف کرایا ہے[۲۳]۔ صدی ڈیڑھ کا عرصہ گزرنے پر اِن بزرگوں کی فارسی و عربی کتابوں کے ترجموں اور اُردو کتابوں کی تشریح و تسہیل کی ضرورت ہے۔ اِس ضرورت کا احساس "دارالعلوم - کراچی" کے مفتی محمد شفیع کو بھی تھا۔ اُنھوں نے دارالعلوم - کراچی کے استاذ حدیث مولانا اکبر علی کو آمادہ کیا کہ وہ "اظہار الحق" کا عربی سے اُردو میں ترجمہ کریں جو اُنھوں نے پوری لگن سے کیا۔ اُردو ترجے پر دارالعلوم - کراچی کے استاد اور مفتی محمد شفیع کے فرزند مولانا محمد تقی عثمانی نے طویل مقدمہ لکھا اور کتاب پر حواشی کا اضافہ کیا۔ "اظہار الحق" کا یہ ترجمہ "بائبل سے قرآن تک"، مکتبہ دارالعلوم - کراچی سے دو تین بار شائع ہو چکا ہے۔ مولانا محمد تقی عثمانی کا مقدمہ بالفاظ مفتی محمد شفیع اپنے "موضوع پر ایک مستقل تصنیف ہے اور اِس میں عیسائیت کے مکمل تعارف کے علاوہ اس مذہب کے بانی کے بارے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں جو تحقیقی بحث چھیڑدی گئی ہے، وہ ایک فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے [۲۴]۔ "اِسی اہمیت کے پیشِ نظر یہ مقدمہ "عیسائیت کیا ہے؟" کے نام سے نہ صرف الگ کتاب کی شکل میں شائع ہو چکا ہے، بلکہ اِس کا انگریزی ترجمہ بھی دستیاب ہے۔

"اظہار الحق" کے اُس انگریزی ترجمے کا ذکر کیا جاچکا ہے جو مولانا غلام محمد راندیری کی کاوش ہے۔ اب یہ ترجمہ النادر کالمعدوم کا مصداق ہے، نیز اس کی زبان و بیان بھی آج کے تقاضوں کے مطابق نہیں، اس پس منظر میں "اظہار الحق" کے ایک نئے انگریزی ترجمے کی ضرورت ہے جسے مولانا محمد تقی عثمانی کے برادر مولانا محمد ولی رازی نے پورا کرنے کا بیڑہ اٹھایا ہے۔ اِس نئے ترجمے کے کچھ اجزاء لندن سے شائع ہوئے ہیں۔

مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی ایک دوسری اہم کتاب "اعجاز عیسوی" ہے جو مولانا محمد تقی عثمانی، مولانا محمد محترم فہیم عثمانی اور مولانا حسین احمد نجیب کی مشترکہ کاوش سے تسہیل و حواشی کے ساتھ شائع ہوئی [۲۵]۔ ڈاکٹر خالد محمود کی سعی و کاوش سے مولانا آل حسن موہانی کی "کتاب الاستفسار" بھی شائع ہو گئی ہے [۲۶]۔

علمائے دیوبند نے ان مستقل بالذات کتابوں کے ساتھ بڑی تعداد میں مضامین لکھے ہیں جو رسائل و جرائد میں شائع ہوئے، مگر کتابی شکل اختیار نہ کر سکے۔

حواشی

۱۔ شیخ محمد اکرم، موج کوثر، لاہور: فیروز سنز (اشاعت پنجم: ۱۹۶۳ء)، ص ۲۰۰

۲۔ مناظر احسن گیلانی، سوانح قاسمی، لاہور: مکتبہ رحمانیہ (س - ن)، حصہ دوم، صفحات ۳۵۸ - ۳۵۹، محمد ایوب قادری، مولانا محمد احسن نانوتوی، کراچی، روہیل کھنڈ لٹریری سوسائٹی (۱۹۶۶ء)، صفحات ۲۱۸ - ۲۱۹

۳۔ محمد قاسم نانوتوی، گفتگوئے مذہبی، دیوبند: مکتبہ امدادیہ (س - ن)، ص ۳

۴۔ "خیر خواہ عالم" (دہلی)، بحوالہ امداد صابری، تاریخ "صحافت اُردو، دہلی: مؤلف (س - ن)، حصہ دوم، ص ۴۴۱

۵۔ محمد قاسم نانوتوی گفتگوئے مذہبی، حوالہ مذکورہ، ص ۳

۶۔ محمد قاسم نانوتوی، مباحثہ شاہجہانپور،

۷۔ مناظر احسن گیلانی، حوالہ مذکورہ، ص ۳۵۵، نیز ص ۳۶۹

۸۔ تفصیلی حالات کے لیے دیکھیے: اختر راہی، سیّد ناصر الدین ابوالمنصور دہلوی اور مسلم - مسیحی مناظراتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ادب، ماہنامہ "عالمِ اسلام اور عیسائیت"، ستمبر ۱۹۹۶ء، صفحات ۴-۱۶

۹- احوال و آثار کے لیے دیکھیے: کفایت اللہ، گجرات کے چند برگزیدہ اور باکمال علمائے کرام، ماہنامہ "البلاغ" (بمبئی)، تعلیمی نمبر بابت دسمبر ۱۹۵۴ء، جنوری و فروری ۱۹۵۵ء، صفحات ۱۴۸ - ۱۵۰

۱۰- امداد صابری، داستانِ شرف، دہلی: مؤلف (س - ن)، صفحات ۱۵۰ - ۱۵۱

۱۱- تفصیلی حالات کے لیے دیکھیے: امداد صابری، حوالہ مذکورہ، نیز اختر راہی، علمائے برصغیر اور مطالعۂ مسیحیت - مولانا شرف الحق دہلوی، ماہنامہ "عالمِ اسلام اور عیسائیت"، اگست ۱۹۹۵ء، صفحات ۱۲ - ۱۸

۱۲- برصغیر میں مسیحیت اور مسلم علماء کے ردِ عمل پر مولانا امداد صابری کی یہ کتابیں اہم ہیں: فرنگیوں کا جال، دہلی: مؤلف (۱۹۴۹ء)، آثارِ رحمت، دہلی: یونین پرنٹنگ پریس (۱۹۶۷ء)، داستانِ شرف، حوالہ مذکورہ

۱۳- اشرف علی تھانوی، نیل المرادفی السفرالی گنج مراد آباد، بحوالہ "ارواحِ ثلاثہ" (امیر شاہ خان)، سہارنپور: کتب خانہ امداد الغرباء (۱۳۷۰ھ)، صفحات ۳۳۰ - ۳۴۵، نیز سید ابوالحسن علی ندوی، تذکرہ حضرت فضل رحمٰن گنج مراد آبادی، کراچی: مجلس نشریاتِ اسلام (۱۹۷۷ء)، صفحات ۱۱۲ - ۱۲۳

۱۴- ابو محمد عبدالحق حقانی، تفسیرِ حقانی، دیوبند: ادارہ اشرف العلوم (س - ن)، جلد اوّل، ص ۱۵۲

۱۵- اشرف علی تھانوی، بیان القرآن، لاہور: مکتبۃ الحسن (س - ن)، جلد اوّل، ص ۲

۱۶- عبدالماجد دریابادی، تفسیر ماجدی، لاہور: تاج کمپنی لیمٹڈ (۱۹۵۲ء)، دیباچہ

۱۷- اعزاز علی دیوبندی، مفتی اعظم کی یاد میں، بحوالہ عبدالرشید ارشد، بیس بڑے مسلمان: لاہور: مکتبہ رشیدیہ (۱۹۶۰ء)

۱۸- ایضاً

۱۹- دیکھیے: اختر راہی، مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مطالعۂ مسیحیت، ماہنامہ "عالمِ اسلام اور عیسائیت"، مارچ ۱۹۹۲ء، صفحات ۵ - ۱۶، مئی ۱۹۹۲ء، صفحات ۱۰ - ۱۴

۲۰- قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی، مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی - ایک مصنف کی حیثیت سے، روزنامہ "الجمعیۃ"، مجاہد ملت نمبر، ص ۱۷۳

۲۱- مرزا قادیانی کی تردید میں لکھے گئے ایک رسالے کے اضافے کے ساتھ ان رسائل کا مجموعہ "مکتبہ خانہ جمیلی دارالعلوم الاسلامیہ - لاہور" نے "اسلام اور عیسائیت" کے نام سے شائع کیا ہے۔

۲۲- تعارف و تبصرہ کے لیے دیکھیے: اختر راہی، [تبصرہ] عیسائیت کا پس منظر، ماہنامہ "عالمِ اسلام اور عیسائیت"، مئی ۱۹۹۳ء، صفحات ۲۸ - ۳۰

۲۳- مثال کے طور پر دیکھیے: محمد ایوب قادری، ردِ عیسائیت میں علمائے کرام کی کوششیں، ماہنامہ "الولی"، اکتوبر ۱۹۷۳ء، صفحات ۲۵ - ۳۵ نیز "اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ، شمالی ہند میں —

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ے ۱۸۰۷ء تک، لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ (۱۹۸۸ء)، صفحات ۵۳۴ - ۵۳۹ نیز ۵۷۶ - ۵۸۱

۲۴- مفتی محمد شفیع، "پیش لفظ" بائبل سے قرآن تک، کراچی: مکتبہ دارالعلوم (۱۹۹۶ء)، ص ۲۲

۲۵- تعارف و تبصرہ کے لیے دیکھیے: اختر راہی، [تبصرہ] اعجاز عیسوی (جدید)، ماہنامہ "عالمِ اسلام اور عیسائیت"، نومبر ۱۹۹۲ء، صفحات ۲۹ - ۳۲

۲۶- تعارف و تبصرہ کے لیے دیکھیے: اختر راہی، [تبصرہ] کتاب الاستفسار، ماہنامہ "عالمِ اسلام اور عیسائیت"، ستمبر ۱۹۹۴ء، صفحات ۲۸ - ۳۲

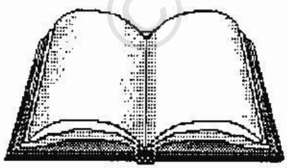

© rasailojaraid.com